کیونکہ اگر وہ سنت ہوتی تو رسول اللہ ﷺ اسے چھوڑنے والے کو جلانے کی وعید نہ سناتے اور فرض کفایہ ہوتی تو وہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھ موجود صحابہؓ کے ذریعے سے باقاعدہ ادا ہو رہی تھی۔[فتح الباری ۲/ ۱۶۰]

۴۔ متعدد احادیث وآثار میں باجماعت نماز سے غیر حاضری منافق کی ایک علامت قرار دی گئی اور جماعت سے پیچھے رہنے والوں کی نبی علیہ الصلاۃ والسلام بعض دفعہ حاضری لیتے تھے۔حضرت ابی بن کعبؓ سے مروی ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے صبح کی نماز پڑھانے کے بعد فرمایا" أشاهد فلان ؟" کیا فلان شخص موجود ہے؟انہوں نے عرض کیا "نہیں" آپ ﷺ نے فرمایا" بے شک یہ دونوں نمازیں (فجر،عشاء) منافق لوگوں پر سب سے گراں ہیں،اگر تمہیں علم ہو جائے کہ ان دونوں میں کیا ہے تو تم گھٹنوں کے بل گھسٹ کر بھی ان کی خاطر آجاتے۔" [ابو داؤد ح ۵۵۴]

حضرت ابن مسعودؓ عہد نبوی میں جماعت سے پیچھے رہنے والوں کے بارے میں فرماتے ہیں" **ولقد رأيتنا وما يتخلف عنها إلا منافق معلوم النفاق أو مريض** " [مسلم ح: ۱۴۸۶ كتاب المساجده/۱۵۶]

۵۔ باجماعت نماز ادا کرنے کا حکم عام حالات میں ہی نہیں بلکہ حالت خوف میں بھی ہے۔جس کی تصریح قرآن مجید میں آئی ہے ﴿**وإذا كنت فيهم فأقمت لهم الصلوٰة فلتقم طآئفة منهم معك وليأخذوآ أسلحتهم فإذا سجدوا فليكونوا من ورآئكم ولتأت طآئفة أخرى**.....﴾[النساء ۱۰۲]

اس آیت شریفہ سے علماء محققین نے باجماعت نماز کی فرضیت پر استدلال کیا ہے۔شیخ عبدالرحمٰن سعدی فرماتے ہیں"باجماعت نماز کے فرض عین ہونے پر یہ آیت مبارکہ دو پہلوؤں سے دلالت کرتی ہے:(۱) حالتِ جنگ میں نماز کو باجماعت ادا کرنے کا حکم اس بات کی دلیل ہے کہ حالت امن میں باجماعت پڑھنا بالاولیٰ واجب ہے۔(۲) حالتِ جنگ میں جماعت کو قائم رکھنے کی خاطر نمازی ایسی بہت ساری شروط اور لازمی امور ترک کرتا ہے جن کو بلا عذر ترک کرنے سے نماز باطل ہو جاتی ہے،اسی طرح جماعت کی خاطر ایسے کاموں کا ارتکاب کرتا ہے جن سے عام حالات میں نماز باطل ہو جاتی ہے۔پس ان شروط اور آداب کا خیال نہ رکھتے ہوئے جماعت کو قائم رکھنا جماعت کے وجوب کی واضح دلیل ہے۔[انظر للمزيد تفسير ابن كثير ۱/ ۶۰۲، كتاب الصلاة وحكم تاركها لابن القيم ۶۴،فتاویٰ علماء البلد الحرام ۱۷۳]

فائدہ نمبر۶: تفسیر قرطبی میں اس آیت کے تحت امامت اور جماعت کے متعدد مسائل پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔

✿ نماز با جماعت کی اہمیت اور فرضیت پر تفصیلی دلائل اور اس کے فضائل اور مسائل جاننے کے لیے عالم اسلام کے مایہ ناز محقق استادِ محترم پروفیسر ڈاکٹر فضل الٰہی حفظہ اللہ کی جامع کتاب (نمازِ باجماعت کی اہمیت) کا مطالعہ بھی بہت مفید ہے۔

درس حدیث

بلا ثبوت مقدمات

ابو محمد عبد الوہاب خان

عبد الرزاق عن معمر عن همام بن منبه عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ " أن رسول الله ﷺ عرض علیٰ قوم اليمين فأسرعوا، فأمر أن يسهم بينهم أيهم يحلف "

[صحيح البخاري كتاب الشهادات باب ٢٤ إذا تسارع قوم في اليمين ح:٢٦٧٤، والنسائي في السنن الكبرىٰ]

ترجمہ: "رسول اللہ ﷺ نے ایک قوم پر قسم پیش کی تو وہ قسم کھانے میں جلد بازی کرنے لگے تب آپ ﷺ نے ان کے مابین قرعہ اندازی کا حکم دیا کہ قسم کون کھائے۔"

دوسری حدیث: اسی سند سے سنن ابی داؤد میں امام احمد کی حدیث ہے: **"إذا كره الاثنان اليمين أو استحباها فليستهما عليها"** [كتاب الأقضية باب ٢٢ الرجلان يدعيان شيئا وليست لهما بينة ح:٣٦١٧ وصححه الألباني] "جب دونوں قسم کھانے کو ناپسند کریں یا دونوں ہی اسے پسند کریں تو قسم کے لیے دونوں کو قرعہ اندازی کرنا چاہیے۔"

نوٹ: سنن ابوداؤد میں سلمۃ بن شبیب کی روایت ہے: **" إذا أكره الإثنان على اليمين......"** [وصححه الألباني ح٣٦١٧] خطابیؒ کہتے ہیں: یہاں " إكراه" اصل معنی میں نہیں ہے کیونکہ کسی بھی شخص کو قسم کھانے پر مجبور نہیں کیا جاتا۔[فتح الباری ٥/ ٣٣٨] اسی لیے راقم نے سلمہ کی روایت پر امام احمد کی روایت کو ترجیح دی ہے۔

مفہومِ حدیث: قسم میں شراکت کی صورت یہ ہے کہ دو افراد ایک ایسی چیز کا دعویٰ دائر کریں جس پر ان دونوں میں سے کسی کا قبضہ نہ ہو اور کسی کے پاس اس کی ملکیت کا ثبوت بھی نہ ہو تو دونوں کے درمیان قرعہ اندازی کرائی جائے، قرعہ جس کے نام نکلے وہ قسم کھا کر چیز کا حق دار قرار پائے گا۔[فتح الباری ٥/ ٣٣٨]

اس معنی کی وضاحت اس حدیث سے ہوتی ہے: **ابو رافع نفيع المدنى (ثقة ثبت)** ابوہریرہ سے روایت کرتے ہیں کہ: دو افراد نے نبی کریم ﷺ کے پاس ایک چیز کا دعویٰ کیا، ان میں سے کسی کے پاس بھی ثبوت نہیں تھا، تو نبی ﷺ نے فرمایا "استهما على اليمين ما كان، أحبا ذلك أو كرها" تم دونوں قسم کے لیے قرعہ لگاؤ جو بھی نتیجہ ہو، دونوں چاہیں یا نہ چاہیں۔"[أبو داؤد الأقضية باب ٢٢ ح: ٣٦١٦ وصححه الألباني، ابن ماجه الأحكام ٢٣٤٦،

النسائي في الكبرىٰ ،أحمد ٢٢٨/١٦ - الارنؤط : **صحيح على شرط مسلم**]

ان حدیثوں کا مفہوم یہ ہے کہ اگر ایک چیز کے کئی مدعی ہوں اور قبضہ یا ثبوت کے لحاظ سے سب تہی دست ہوں تو قاضی قرعہ کے ذریعے مدعی کی تعیین کرے گا، وہ قسم کھا کر مقدمہ جیت سکے گا۔[معالم السنن ٤ / ٣٩]

حدیث کا دوسرا مفہوم: امام بیہقی نے حدیث کا مفہوم یہ بیان کیا ہے کہ جب قاضی دونوں سے قسم لینا چاہے تو قسم میں پہل کرانے کے لیے قرعہ لگائے، پھر دوسرا بعد میں قسم کھائے گا۔ اگر پہلے شخص کے قسم کے بعد دوسرا شخص قسم نہ کھائے تو قسم کھانے والا مقدمہ جیت جائے گا۔ اگر دوسرا بھی قسم کھائے تو مدعیٰ ان دونوں کے درمیان تقسیم ہوگا......

یہ اس وقت ہوگا جب مدعیٰ دونوں فریقین کے قبضے میں ہو یا کسی تیسرے کے قبضے میں جو ان کے لیے ملکیت کا اقرار کرتا ہو۔ لیکن اگر مدعیٰ کسی ایک فریق کے قبضے میں ہو تو بارِ ثبوت مدعی پر ہے، اس کے پاس ثبوت نہ ہونے یا باہم تصادم سے کالعدم ہونے کی صورت میں قبضہ والا مدعیٰ علیہ ہے، وہی قسم کھا کر مقدمہ جیت لے گا۔[نیل الأوطار ٨/ ٣٤٠-٣٤١]

قسم کا حقدار کون ہے؟ متعدد مواقع پر رسول اللہ ﷺ نے مدعی سے ثبوت طلب فرمایا، بصورت دیگر مدعا علیہ پر قسم لازم کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:" **البينة أو يمينه**" [بخاری التفسير ح: ٤٥٤٩، ٤٥٥٠،صحيح مسلم الأقضية ٢/١٢] ابن عباس ؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا" **اليمين على المدعىٰ عليه**" [بخاری الرهن ح:٢٥١٤، التفسير ح: ٤٥٥٢، مسلم ٣/١٢]

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کہتے ہیں: یہ اس وقت ہے جب مدعی کے پاس صرف دعویٰ ہو۔ اور شریعت کا ٹھوس اصول یہ ہے کہ دعویٰ کرنے والوں میں سے جس کی جانب قوت زیادہ ہو اسی طرف قسم لازم ہوتی ہے، خواہ یہ ترجیح براءت اصلیہ کے ذریعے ہو یا قبضے کی وجہ سے یا عملی عادت کے لحاظ سے۔ [مجموع الفتاویٰ ٨١/٣٤]

براءت اصلیہ یہ ہے کہ مسلمان کے قبضے میں جو بھی چیز ہو، وہ اس کی ملکیت ہوتی ہے (اگر وہ اس کا دعویٰ کرے)، یا وہ اس کی دیکھ بھال میں کسی کا سرپرست ہوتا ہے یا کسی کا نمائندہ (وکیل)۔ [الفتاویٰ ٣٢٣/٢٩]

جب مدعی کا پہلو مضبوط ہو تو اسی پر قسم آتا ہے۔ مثلاً حدیث القسامة، ایک گواہ اور ایک قسم پر فیصلہ وغیرہ۔

[مجموع فتاویٰ شيخ الاسلام ٣٨٨/٢٠]

اوصافِ قاضی: چھٹے خلیفہ عمر بن عبدالعزیزؒ کہتے ہیں: قاضی کے لیے پانچ اوصاف نہایت ضروری ہیں:

(۱) سمجھداری، (۲) بردباری (ذاتی حوالہ سے)، (۳) عفت (حرام سے احتیاط)، (۴) سختی (دوسروں کے حق کے لحاظ سے)، (۵) عالم ہو اور ہر دم علم کا طلب گار رہے۔[بخاری ۱۳/ ۱۵٦، فتح الباری ۱۳/ ۱٦۵]

فہم وفراست سے فیصلہ: ﴿وداؤد وسليمان إذ يحكمان فی الحرث إذ نفشت فيه غنم القوم وكنا لحكمهم شاهدين ۞ ففهمناها سليمان وكلاً اٰتينا حكما وعلما......﴾ [الانبياء ۷۸-۷۹]

امام بخاریؒ کہتے ہیں: اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی تعریف فرمائی اور حضرت داؤد علیہ السلام پر ملامت نہیں فرمائی۔ اگر ان کا تذکرہ اس طرح نہ ہوتا تو مجھے یقین ہو جاتا کہ سارے قاضی ہلاک ہوں گے۔ لیکن اللہ پاک نے اِس پر علم کے حوالے سے تعریف فرمائی اور اُس کے اجتہاد کی بنا پر عذر قبول فرمایا۔[صحیح البخاری الأحكام باب ١٦ الفتح ١٣/ ١٥٦]

نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ دو خواتین اپنا اپنا بچہ لے کر جا رہی تھیں کہ ایک بچے کو بھیڑیا لے گیا۔ اب موجود بچے پر دونوں مقدمہ لے آئیں، تو حضرت داؤد علیہ السلام نے بڑی کے حق میں فیصلہ کر دیا، اس کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام کو پتہ چلا تو فوراً چھری منگائی تاکہ ''بچے کو تقسیم کر دے''......اس پر چھوٹی خاتون بے ساختہ پکار اٹھی: ''نہیں، بچہ بڑی بی کا ہے۔'' اس پر آپ علیہ السلام نے بچہ چھوٹی کو دلا دیا۔[صحیح مسلم الأقضية ح ١٩ عن أبی هريرة ١٢/ ١٨-١٩]

امام ابن القیمؒ: حضرت سلیمان علیہ السلام کے اس واقعے سے امام نسائیؒ نے درج ذیل مسائل اخذ کیے ہیں:

۱۔ قاضی کو جو کام نہیں کرنا ہے، حق کو پہچاننے کے لیے اس کا عزم ظاہر کرنا۔

۲۔ فریق کے اقرار کے برخلاف فیصلہ صادر کرنا۔

۳۔ قاضی کا (ٹھوس قرائن کی بنیاد پر) ہم مرتبہ یا برتر قاضی کے فیصلے پر نظر ثانی کرنا۔

۴۔ قرائن و احوال کی روشنی میں فیصلہ جاری کرنا۔[الطرق الحكمية ص ۵-٦]

فہم وفراست سے حق کو پہچان کر فیصلہ کرنے کا مسئلہ اس آیت شریفہ سے بھی ظاہر ہوتا ہے: ﴿إن كان قميصه قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فصدقت وهو من الكاذبين......﴾ [یوسف :٢٦]

تحریری دستاویز کی بنیاد پر فیصلہ: ﴿يٰاَيها الذين اٰمنوٓا إذا تداينتم بدين إلىٰٓ أجل مسمى فاكتبوه......﴾ [البقرة ٢٨٢]، حدیث نبوی: '' ما حق امرئ مسلم له شئ يوصی فيه يبيت ليلتين إلا و

وصیتہ مکتوبۃ عندہ" [متفق علیہ] کے تحت قاضی دستخط، انگوٹھے اور تحریر کی بنیاد پر بھی فیصلہ کرسکتا ہے؛ کیونکہ تحریری دستاویز کی بنیاد پر فیصلہ نہ ہوسکتا تو وصیت کی لکھائی کا کوئی فائدہ نہ ہوتا۔ اسی طرح محدثین کرام کا تقریباً اجماع ہے کہ محفوظ تحریر پر اعتماد کر کے حدیث روایت کی جاسکتی ہے۔ [الطرق الحکمیۃ ص ۲۰۴، ۲۱۲۔۲۱۳]

مشاہدے اور قرائن کی بنیاد پر فیصلہ: موقع کے مشاہدے سے بعض ٹھوس قرائن بھی ملتے ہیں مثلاً دیوار کی بناوٹ کس گھر کے ساتھ متصل ہے؟ یا اس میں پرانے دور سے کھڑکی، طاقچہ وغیرہ کس کی جانب ہے؟ خصوصاً اس کے برخلاف کوئی گواہ وغیرہ نہ ہونے کی صورت میں یہ قرینہ بالکل قابل اعتماد ہے۔ اور اگر اس کے خلاف ایسا ثبوت یا گواہ ہو جس پر کوئی تہمت نہ ہو تو ان علامتوں اور قرائن پر گواہوں اور ثبوت کو ترجیح دی جائے گی۔ اگر ان قرائن کے مقابلے میں فریق مخالف کے پاس صرف قبضہ ہو تو وہ ناقابل التفات ہے، کیونکہ مذکورہ قرائن ''ثبوت اور گواہ'' کے درجے پر ہیں، جن کی بنیاد پر قبضہ چھڑایا جاتا ہے۔ [الطرق الحکمیۃ ص ۲۱۳]

فریقین سے بیان لینا: حضرت علی ﷺ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے قاضی بنا کر یمن بھیجا تو عرض کیا: ''میں کم عمر ہوں اور فیصلے کا چنداں علم نہیں رکھتا۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''بیشک اللہ تیرے دل کو فیصلہ سمجھائے گا اور تیری زبان کو پختگی عطا فرمائے گا۔ پس جب تیرے سامنے دو فریق بیٹھیں تو ایک کا بیان سن کر ہرگز فیصلہ نہ کرنا حتی کہ دوسرے کا بیان بھی سن لے۔ اس طرح زیادہ امید ہے کہ تجھ پر معاملہ واضح ہو جائے گا۔'' [أبوداؤد الأحکام باب ٦ کیف القضاء ح ٣٥٨٢ وحسنہ الألبانی، الترمذی الأحکام باب ٥ ح ١٣٣١ وقال: حدیث حسن]

غیر حاضر فریق کے خلاف فیصلہ: خطابیؒ کہتے ہیں: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قاضی غیر حاضر فریق کے خلاف فیصلہ صادر نہیں کرسکتا؛ کیونکہ دونوں فریقوں کی موجودگی میں بھی دوسرے سے بیان لیے بغیر فیصلہ نہیں کیا جاسکتا تو مجلس سے غیر حاضر شخص کے خلاف فیصلہ کرنا بالاولیٰ منع ہوگا، کیونکہ اس کے پاس بھی ایسی دلیل ہوسکتی ہے، جو حاضر فریق کے دعوے کو باطل کردے۔ یہ قاضی شریحؒ، عمر بن عبدالعزیزؒ، ابوحنیفہؒ اور ابن ابی لیلیٰؒ کا قول ہے۔

امام مالکؒ اور شافعیؒ کے نزدیک جب قاضی کو معلوم ہو جائے کہ اس کی غیر حاضری کا مقصد حق سے فرار اور فریق مخالف کے ساتھ ہٹ دھرمی ہے، تو اس کے خلاف فیصلہ کرنا جائز ہے۔ اور اس قول پر ابوسفیان ﷺ کے مال سے ھندؓ کو خرچنے کی اجازت [متفق علیہ] سے بھی استدلال کیا گیا۔

ایسی صورت میں حاضر فریق کا بیان سن کر فیصلہ کرتے وقت یہ بھی تحریر کرنا چاہیے: ''فریق ثانی کے حاضر ہو کر اپنا ثبوت پیش کرنے کی صورت میں اس کا حق محفوظ ہے۔'' اگر غیر حاضر کے خلاف فیصلہ بالکل صادر نہ کیا جائے، تو اس سے بہت سارے لوگ اپنے حقوق سے محروم رہیں گے۔ [معالم السنن ٤/ ١١-١٢]

مدعیٰ کی تقسیم: عن أبی بردة عن أبیه (أبی موسیٰ ﷛)'' أن رجلین اختصما فی دابة لیس لواحد منهما بینة ، فجعل رسول الله ﷺ بینهما نصفین.''

شعیب الارنؤط: معلول عند أهل الحدیث مع الاختلاف فی إسناده علی قتادة :

١۔ [أحمد ٣٢/ ٣٧٩ ح: ١٩٦٠٣، ابن أبی شیبة ١٠/ ١٦٨ أبوداؤد أقضیة باب ٢٢ ح: ٣٦١٣ وضعفه الألبانی، ابن ماجه ٢٣٣٠، حاکم ٤/ ٩٤] **عن سعید بن أبی عروبة عن قتادة عن سعید بن أبی بردة عن أبیه أبی موسیٰ ﷛**

٢۔ البیهقی ١٠/ ٢٥٥ **عن قتادة عن خلاس عن أبی رافع عن أبی هریرة وفیه: أن النبی ﷺ أمرهما أن یستهما علی الیمین۔**

٣۔ البیهقی ١٠/ ٢٥٧ **عن قتادة عن أبی مجلز عن أبی بردة عن أبی موسیٰ وفیه :أن کلا منهما جاء بشاهدین.** [مسند أحمد ٢٢/ ٣٧٩-٣٨٢]

خطابی: ایسا لگتا ہے کہ یہ اونٹ یا مویشی دونوں کے ہاتھ میں تھی۔اس لیے رسول اللہ ﷺ نے دونوں میں بانٹ دیا؛ کیونکہ مشترکہ قبضے کی وجہ سے دونوں کی حیثیت یکساں تھی۔ بصورت دیگر وہ دونوں صرف ''دعویٰ'' پر اس کا حقدار نہ بن سکتے، اگر وہ چیز ان کے سوا کسی اور کے قبضے میں ہوتی۔ [معالم السنن ٤/ ٣٧]

نوٹ: صنعانی نے خطابی سے نقل کرتے ہوئے آخر میں لکھا ہے'' ......اگر وہ چیز ان میں سے کسی ایک کے قبضے میں ہوتی۔'' [سبل السلام ٤/ ٢١٠]

راقم: کسی تیسرے کے قبضے میں ہونے کی صورت میں ہی برابر تقسیم جچتی ہے، جبکہ ان میں سے کسی ایک کے قبضے میں ہو تو وہی مدعا علیہ ہے اور قسم کے ساتھ فیصلہ اسی کے حق میں ہو جاتا ہے۔ واللہ أعلم

دونوں کے پاس ثبوت ہونے کی صورت میں: سعید بن ابی بردہ اپنے باپ کے واسطے سے دادا ابو موسیٰ

اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتا ہے کہ: ''دو آدمیوں نے دورِ نبوت میں ایک اونٹ پر دعویٰ کیا اور ہر ایک نے دو دو گواہ پیش کیے تو نبی کریم ﷺ نے اسے دونوں میں آدھا آدھا بانٹ دیا۔'' [أبو داؤد الأقضية باب ٢٢ الرجلين يدعيان شيئا وليست لهما بينة ح: ٣٦١٥ وضعفه الألباني]

اس حدیث کی سند میں انقطاع اور اتصال کا اختلاف ہے۔ دارقطنی، بیہقی اور خطیب بغدادی نے اسے سماک بن حربؒ سے مرسلاً روایت ہونے کو ترجیح دی ہے۔ [نيل الأوطار ٨/ ٣٣٩]

امام منذری کہتے ہیں کہ ابوداؤد کی سند کے سارے راوی ثقہ ہیں۔

خطابی: احتمال ہے کہ وہ اونٹ کسی تیسرے شخص کے ہاں تھا' جو اس کا دعویدار نہیں تھا۔ جب دعویداروں نے دو دو گواہ پیش کیے تو مدعیٰ علیہ سے لے کر وہ اونٹ دونوں مدعیوں میں بانٹ دیا۔ [معالم السنن ٤/ ٣٨]

اس مسئلے میں علماء کا اختلاف ہے:

۱۔ امام احمد بن حنبل اور اسحاق بن راھویہ کا قول ہے کہ دونوں میں قرعہ اندازی کی جائے اور جس کے نام قرعہ نکلے، چیز اس کو دی جائے۔ امام شافعی بھی پہلے یہی کہتے تھے، پھر ان کا قول جدید یہ ہے کہ اس میں دو امکانات ہیں:

۲۔ ایک: مذکورہ بالا حدیث کے مطابق دونوں میں برابر تقسیم کی جائے اور یہ اہل رائے اور ثوری کا قول بھی ہے۔

۳۔ دوسرا قول یہ ہے کہ قرعہ لگایا جائے پھر جس کے نام قرعہ نکلے وہ قسم کھائے کہ اس کے گواہوں کی گواہی سچی ہے، پھر اس کے حق میں فیصلہ ہوگا۔

۴۔ امام مالک کہتے ہیں: میں ان دونوں میں سے کسی کے حق میں فیصلہ نہیں کرتا۔

۵۔ آپ کا دوسرا قول یہ ہے کہ دونوں کے گواہوں کا جائزہ لیا جائے اور جس کے گواہ نسبتاً دیندار ہوں، اس کے حق میں فیصلہ کیا جائے۔

۶۔ عبدالرحمٰن الاوزاعی کہتے ہیں: گواہوں کی تعداد جس مدعی کے ہاں زیادہ ہو، اس کے حق میں فیصلہ ہوگا۔

۷۔ الشعبیؒ کہتے ہیں: گواہوں کی تعداد کے حساب سے دونوں میں تقسیم کی جائے گی۔ [معالم السنن ٤/ ٣٨]

راقم: یہ اجتہادی مسئلہ ہے، جس میں قاضی قرائن واحوال کی روشنی میں جس قول کو مناسب سمجھے' ترجیح دے گا۔ اس لیے کسی ایک قول کو حتمی طور پر راجح قرار دینا ممکن نہیں۔ قرائن سے ترجیح مشکل ہونے کی صورت میں دوسرا قول ہی مذکورہ بالا حدیث کی بنیاد پر قابل قبول ہوسکتا ہے۔ واللہ اعلم

گواہیوں کا تصادم: جب ایک چیز پر دو افراد کا دعویٰ ہو اور چیز دونوں کے مشترکہ قبضے میں ہو، کسی کے پاس ثبوت نہ ہو تو ہر ایک اس کے آدھے حصے پر مدعی اور دوسرے نصف پر مدعا علیہ ہے۔ یا ہر ایک نے اپنے دعوے پر ثبوت پیش کیا تو ثبوت آپس میں ٹکرا کر کالعدم ہوگئے۔ اب قاضی اسے دونوں میں تقسیم کرے گا، کیونکہ دونوں کا قبضہ یکساں ہے۔ اسی طرح دونوں کے پاس ثبوت نہ ہونے یا دونوں کے قسم پر آمادہ ہونے یا دونوں کے قسم پر تیار نہ ہونے کی صورت میں بھی۔ [نیل الأوطار ۸/ ۳۳۹_۳۴۰]

راقم: یہ ایک مضبوط قیاس ہے، جس کے سہارے مذکورہ بالا ضعیف حدیث قابل عمل بن جاتی ہے۔ واللہ أعلم

قاضی شوکانی: جب گواہیوں میں تصادم ہو اور قاضی کو ترجیح کا کوئی پہلو نہ ملے تو مدعی کو تقسیم کرنا چاہیے۔ [الدر البهية فى المسائل الفقهية مع الروضة الندية ۲/ ۲٦٥]

ایک فیصلہ حیدری: حنش بن المعتمرؒ کا بیان ہے کہ حضرت علیؓ کے پاس ایک خچر کا مقدمہ آیا جو بازار میں بک رہا تھا تو ایک شخص نے دعویٰ کیا کہ یہ میرا خچر ہے' میں نے بیچا ہے نہ کسی کو دیا ہے اور اپنے دعوے پر پانچ گواہ لے آیا۔ ایک دوسرا مدعی بھی دو گواہ لے آیا کہ یہ خچر اس کا ہے۔ تو حضرت علیؓ نے فرمایا: اس میں ایک فیصلہ ہے اور ایک صلح:

صلح یہ ہے کہ خچر کو بیچ کر اس کی قیمت کے سات حصے کیے جائیں، اِس کو 5 حصے ملیں گے، اُسے 2 حصے۔

اگر دونوں صلح پر آمادہ نہ ہوں تو فیصلہ یہ ہے کہ جو اپنے دعوے پر قسم کھائے خچر اسی کو ملے گا۔ اگر دونوں قسم کھانے پر تیار ہوں تو قرعہ اندازی کی جائے گی اور جس کے نام قرعہ نکلے وہی قسم اٹھا کر مقدمہ جیتے گا۔ [معالم السنن ٤/ ٣٩]

نوٹ: یہی واقعہ سبل السلام میں خطابی کے حوالے سے آیا ہے، اس میں بغل (خچر) کے بجائے نعل (جوتے) کا ذکر ہے۔ [سبل السلام ٤/ ٢٠٩]

راقم: نعل (جوتے) کا لفظ اس لحاظ سے مناسب ہے کہ اگر جھگڑا خچر پر ہوتا تو خچر اپنے مالک کو خود پہچان سکتا تھا، اس طرح فیصلہ بالکل آسان ہو جاتا۔ واللہ اعلم

پرانے مقدمے کا فیصلہ: ام سلمہؓ کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس دو آدمی وراثت کا (پرانا) مقدمہ لے آئے، دونوں کے پاس دعویٰ کے سوا کوئی ثبوت نہیں تھا۔ تو نبی کریم ﷺ نے ان سے فرمایا: ''میں بیانات کی روشنی میں فیصلہ کرتا ہوں؛ لیکن اگر شرعاً کسی کا حق نہ ہو' تو فیصلہ نبوی سے بھی وہ اس کے لیے عدالت الٰہی میں حلال نہیں ہو جاتا؛

بلکہ آتش دوزخ بن جاتا ہے۔'' یہ سن کر دونوں رونے لگے اور ہر ایک اپنے اپنے حق سے دستبردار ہونے لگا، تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''أما إذا فعلتما ما فعلتما فاقتسما وتوخيا الحق ثم استهما ثم استحالا'' ہاں جب آپ دونوں اپنے دعوے سے دستبرداری پر آمادہ ہوں تو دونوں مدعا کو آپس میں بانٹ لیں اور حق کی کمی بیشی کو آپس میں معاف کر لیں پھر قرعہ اندازی کر کے اپنا اپنا حصہ حلال کروالیں۔'' [أبو داؤد الأقضية باب ٧ ح:٣٥٨٤ وضعفه الألباني]

دوسری روایت میں ہے کہ ان کا مقدمہ بہت پرانا تھا۔[أبو داؤد ح:٣٥٨٥]

خطابیؒ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صلح صرف معلوم چیز میں درست ہوتی ہے، اسی لیے دونوں کو حق کی مقدار میں معافی کی تلقین فرمائی۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی کے لیے معاف یا حلال کرنے میں بھی اس چیز کی مقدار کا معلوم ہونا، کمیت کا مجہول نہ ہونا ضروری ہے۔[معالم السنن ٤/١٤-١٥]

قاضی کا وعظ: ام سلمہؓ کہتی ہیں کہ ایک فیصلے کے بعد نبی کریم ﷺ نے دروازے کے باہر جھگڑنے کی آواز سنی تو ان کے پاس تشریف لے جا کر فرمایا: ''میں بھی ایک انسان ہوں۔ تم لوگ میرے پاس مقدمے پیش کرتے ہو، اب ممکن ہے کہ تم میں سے کوئی اپنی دلیل کے بیان میں زیادہ زبان دراز ہو، میں بیانات کی روشنی میں فیصلہ کرتا ہوں پس جس کو میں اس کے بھائی کا کوئی حق دلا دوں تو اسے ہرگز نہ لینا چاہیے، اس صورت میں اسے آتش دوزخ کا حصہ ہی دے رہا ہوتا ہوں۔''

[بخاری الأحكام باب ٢٠ ح: ٧١٦٩، ٧١٨١، ٧١٨٥، مسلم ١٢/٤ مع المنهاج]

جھوٹی قسم کی سنگینی: عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: '' **من حلف على يمين هو فيها فاجر ليقتطع بها مال امرئ مسلم لقي الله وهو عليه غضبان** '' جس کسی نے مقدمے میں غلط بیانی کے ساتھ قسم اٹھا کر کسی مسلمان کا مال لینا چاہا تو وہ شخص جب اللہ کے سامنے روزِ قیامت حاضر ہوگا تو اللہ اس پر انتہائی غضبناک ہوگا۔'' اشعث کہتے ہیں: اللہ کی قسم! میرے ساتھ بھی ایسا ہی معاملہ ہوا۔ میرا ایک یہودی سے زمین کا تنازعہ تھا، اس نے میرے حق کا انکار کیا تو میں نے مقدمہ دربارِ رسالت میں رکھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تیرے پاس ثبوت ہے؟ میں نے عرض کیا: نہیں۔ آپ ﷺ نے یہودی سے فرمایا: ''قسم کھاؤ۔'' میں نے عرض کیا: ''جبھی تو قسم کھا کر میرا مال لے گا۔'' اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿**إن الذين يشترون بعهد الله وأيمانهم ثمنا قليلا أولئك لا خلاق لهم في الآخرة ولا يكلمهم الله ولا ينظر إليهم يوم القيامة ولا يزكيهم ولهم عذاب أليم**﴾[آل

عمران ۷۷] ''بیشک جولوگ اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کے عوض تھوڑی سی دنیاوی قیمت لیتے ہیں، ان کا روزِ قیامت کوئی حصہ نہیں ہوگا اور اللہ ان سے کلام نہ فرمائے گا اور نہ ان کی طرف نظر کرم فرمائے گا اور نہ ان کو پاک کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب تیار ہے۔'' [بخاری الأیمان باب ۳ ح: ٤٥٤٩، ٤٥٥٠ ، مسلم الأیمان ح: ۲۲۰]

اشعث بن قیس کہتے ہیں: کندہ اور حضرموت کے ایک ایک شخص نے یمن کی ایک زمین کا مقدمہ دائر کیا۔ حضرموت والے نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! بیشک اس شخص کے باپ نے میری زمین چھین لی ہے اور اب یہ اس کے قبضے میں ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تیرے پاس ثبوت ہے؟ اس نے کہا: نہیں، لیکن میں اسے قسم دلاتا ہوں۔ جبکہ اللہ خوب جانتا ہے کہ زمین میری ہے، مجھ سے اس کے باپ نے غصب کی ہے۔ اس پر کندی قسم کے لیے تیار ہوگیا۔ اب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: '' لایقتطع أحد مالا بیمین إلا لقی الله وهو أجذم '' ''کوئی بھی قسم کے ذریعے کسی کے مال پر قبضہ جمائے تو رب سے ملاقات کے وقت ہتھ کٹا ہوگا۔'' یہ سن کر کندی نے اقرار کیا: ''یہ زمین اُسی کی ہے۔'' [أبو داؤد الأیمان باب ۲ ح: ۳۲٤٤ وصححه الألبانی] دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: '' أما لئن حلف علی مال لیأکله ظلما لیلقین الله وهو عنه معرض '' خبردار! اگر اس نے ظلم سے کوئی مال کھانے کے لیے قسم کھائی تو وہ ضرور بضرور اس حال میں اللہ کے سامنے پیش ہوگا کہ اللہ اس سے منہ پھیرے ہوئے ہوگا۔'' [مسلم الأیمان ح: ۲۲۳]

ڈبل فیصلہ: گورنر بجستان عبدالرحمٰنؒ بن ابی بکرہ کہتے ہیں: میرے والد ابوبکرہ ؓ نے مجھے لکھ بھیجا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: '' لایقضینّ أحد فی قضاء بقضائین '' کسی کو بھی ایک مقدمے میں دو مختلف فیصلے ہرگز نہیں کرنا چاہیے۔ [النسائی آداب القضاء باب ۲۱ ۸/۲٤۷ وصححه الألبانی ح٥٤٣٦]

یعنی قاضی کو فیصلے میں جلد بازی نہیں کرنا چاہیے۔ البتہ کبھی ایسی نوبت آجائے تو دوسرے فیصلے میں پہلے صادر شدہ فیصلے کی غلطی کی وضاحت اور اس سے رجوع کرنے کی صراحت کرنا چاہیے۔ والله أعلم

سوال: اس مضمون کا باعث یہ سوال تھا: '' کتنے عرصے کے بعد مقدمہ نا قابل سماعت ہوجاتا ہے؟''

جواب: متعدد صحابہ کرام ؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: '' من أحیا أرضا میتة فهی له ولیس لعرق ظالم حق '' جس نے غیر مملوکہ بنجر زمین آباد کی تو یہ اسی کا حق ہے اور کسی بھی ظالم رگ کے لیے کوئی حق نہیں۔''

[بخاری الحرث باب ۱۵ تعلیقاً عن عمرو بن عوف ؓ ، أبو داؤد الخراج باب ۳۷ ح: ۳۰۷۳ عن سعید بن زید ؓ، الترمذی الأحکام باب ۳۸ ح: ۱۳۷۸ عنه وحسنه ، ح: ۱۳۷۹ عن جابر بن عبدالله ؓ وقال حسن صحیح]